بشیر احمد ڈار

عیسائی تصوّف

عیسائیت کا ابتدائی دور جب حضرت عیسیٰ زندہ و موجود تھے پورے معنوں میں تصوف کا دور تھا اور عیسائیت اپنی ابتدائی زندگی میں خالص صوفیانہ طریقت کا بہترین نقشہ تھا۔ حضرت عیسیٰ کی زندگی کا جو نقشہ بائیبل سے معلوم ہوتا ہے وہ ایک ایسے صوفی کا ہے جو کشف و مشاہدات اور سب سے زیادہ تعلق باللہ اور مشاہدۂ حق کی نعمتوں سے بہرہ ور رہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ ان کے مشاہدات و تجربات انفعالی نہ تھے جیسا کہ بعض صوفیا کے ہاں ہوتا ہے بلکہ وہ تخلیقی اور فعالی نوعیت کے لحاظ سے بہت با اثر ثابت ہوئے۔ تاہم اس سے انکار کی مجال نہیں کہ ان کی تمام عملی کوششیں اور ان کے شاگردوں کا حلقہ خالص ان کے نفسیاتی تجربات و مشاہدات کا عکس معلوم ہوتے ہیں۔ متی کی انجیل (۱۱، ۲۷) میں ایک جگہ حضرت عیسیٰ کا قول مذکور ہے: "اور کوئی باپ کو نہیں جانتا سوائے بیٹے کے اور اس کے جس پر بیٹا اسے ظاہر کرنا چاہے۔" اس فقرے پر اگر غور کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ حضرت عیسیٰ کے نزدیک مذہب کا تصور بالکل داخلی اور ذاتی ہے جس کا دار و مدار بہت کچھ ایک فرد کا خدا سے تعلق خاص پر ہے اور وہی دوسروں کو اس تعلق کی خصوصیات سے صحیح معنوں میں روشناس کرا سکتا ہے۔ چنانچہ ابتدائی دور کے چند شاگرد جو حضرت عیسیٰ کے ارد گرد جمع ہوئے ایک صوفیانہ حلقہ تھا جس میں حضرت عیسیٰ کی زیر ہدایت ہر ایک خدا سے رابطہ پیدا کرنے کا خواہش مند تھا۔ "جہاں کہیں دو یا تین میرے نام پر اکٹھے ہیں وہاں میں ان کے بیچ میں ہوں۔" (متی ۱۸، ۲۰) یہ گویا صوفیانہ حلقے کا بنیادی اصول تھا جس میں ہر شخص اپنے نفس کی گہرائی میں اتر کر حقیقتِ ازلی کے نور سے منوّر ہو سکتا تھا۔ اس دور میں جب یہ مقدس گروہ ہر طرف سے مصائب میں مبتلا تھا خدا کا یہ وعدہ کہ "میں دنیا کے آخر تک ہمیشہ تمہارے ساتھ ہوں" (متی ۲۸، ۲۰) ان کی ہمت بندھاتا رہا۔ حضرت عیسیٰ کا مشہور فقرہ ہے کہ "آسمانی بادشاہت تمہارے اندر ہے اور جو کوئی اپنے نفس کو پہچانتا ہے وہ اس کو پالے گا۔" اس سے بہتر تصوف کی ترجمانی مشکل ہے اور شاید اسی بنا پر مسلمان صوفیاء کے ہاں یہ مقولہ مشہور رہا ہے کہ جس نے اپنے نفس کا عرفان حاصل کیا اس نے اپنے رب

کا عرفان کر لیا۔

یوحنا کی انجیل متفقہ طور پر صوفیانہ تصورات پر مبنی سمجھی جاتی ہے۔ کلیمنٹ (CLEMENT) اسے "روحانی انجیل" کے نام سے پکارتا ہے۔ اور بعد کے عیسائی صوفیوں نے اس کے تصورات کو اپنا کر ان کی تشریح کی ہے۔ ڈاکٹر جونس کا خیال ہے کہ مختلف اناجیل کے مصنفوں سے بڑھ کر یوحنا رسول نے صوفیانہ مسلک کی تشریح و ترویج کی اور بعد کے صوفیا کے اپنے تصورات اور تجربات کو بیان کرنے کے لیے اسی انجیل کی اصطلاحات اور فقرات سے استفادہ کیا۔ ان کا خیال ہے کہ یوحنا جس عیسائیت کا تصور پیش کرتا ہے وہ خالص انسان کی داخلی واردات و تجربات پر مبنی ہے اور یہی تصوف کا بہترین تصور ہے۔[1]

اس کی مختلف تشبیہات میں سے "خلق جدید"، انقلاب نفس اور روح خداوندی کا انسان کے اندر سرایت کرنے کے تصورات، واضح طور پر صوفیانہ جذبات سے تعلق رکھتے ہیں۔

ایک یہودی سردار کے سوال پر حضرت عیسیٰ کہتے ہیں: "میں تجھ سے سچ سچ کہتا ہوں کہ جب تک کوئی نئے سرے سے پیدا نہ ہو وہ خدا کی بادشاہت کو دیکھ نہیں سکتا... جب تک کوئی آدمی پانی اور روح سے پیدا نہ ہو وہ خدا کی بادشاہی میں داخل نہیں ہو سکتا... تعجب نہ کر کہ میں نے تجھ سے کہا تمہیں نئے سرے سے پیدا ہونا ضرور ہے۔" (۳، ۳-۷)

جدید پیدائش کا یہ تصور صوفیا کے ہاں ایک مسلّمہ اصول سمجھا جاتا رہا ہے اور اسی تصور پر علامہ اقبال نے جاوید نامہ میں اپنے مخصوص پیرائے میں بحث کی ہے:

از طریق زادن اے مرد نکوے — آمدی اندر جہانِ چار سوے
ہم بروں جستن بہ زادن می تواں — بندہا از خود کشادن می تواں
لیکن ایں زادن نہ از آب و گل است — واندآں مردے کہ او صاحب دل است

اس کے بعد اس نئی پیدائش و خلقِ جدید کو پیدائش اوّل سے متمیز کرتے ہوئے کہتے ہیں:

آں ز مجبوری است ایں از اختیار — آں نہاں در پردہ ہا ایں آشکار
آں سکون و سیر اندر کائنات — ایں سراپا سیر بیروں از جہات
آں یکی محتاجی روز و شب است — واں دگر روز و شب او را مرکب است

---

[1] دیکھئے رفوس جونز کی کتاب "صوفیانہ مذہب کا مطالعہ" صفحہ ۱۶

زادن طفل از شکست اشکم است　　زادنِ مرد از شکست عالم است

جان بیدار سے چو زاید در بدن　　لرزہ ہا افتد دریں دیر کہن　　(تمہید زمینی)

ایک جگہ ایک عورت سے گفتگو کرتے ہوئے حضرت عیسیٰ کہتے ہیں کہ "قیامت اور زندگی تو میں ہوں جو مجھ پہ ایمان لاتا ہے گو وہ مر جائے تو بھی زندہ رہے گا" (۱۱، ۲۵)

مولانا روم نے اسی کے متعلق کہا تھا:

پس قیامت شو قیامت را ببیں　　دیدنِ ہر چیز را شرط است ایں

ایک دوسری جگہ کہتے ہیں: "جو کوئی اس پانی میں سے پیئے گا جو میں اسے دوں گا وہ ابد تک پیاسا نہ ہو گا بلکہ جو پانی میں اسے دوں گا وہ اس میں ایک چشمہ بن جائے گا جو ہمیشہ کی زندگی کے لیے جاری رہے گا" (۴، ۱۴-۱۵) "وہ آبِ حیات بھی ہے اور رزقِ حیات بھی (یوحنا ۶، ۵۲) اور یہ تبھی ممکن ہے جب انسان اپنے آپ کو خدائے قدوس کا جزو سمجھے اور اسی کے اخلاقِ حسنہ سے اپنے آپ کو متصف کرنے کی کوشش کرے۔

یوحنا رسول کے مطابق "خدا محبت ہے" (۱یوحنا ۴، ۸)، "خدا نور ہے" (۱یوحنا ۱، ۵) اور "خدا روح ہے" (۴، ۲۴)۔ انجیل کے ان تین مختلف فقروں میں تصوف کی ساری کائنات سما جاتی ہے۔ حقیقتِ مطلقہ انسانی عقل و فہم کی رسائیوں سے ورا رہی ہے اور ہر قسم کے لوگ اپنے اپنے مذاق کے مطابق خدا کی ان گنت صفات کو سمجھنے کی کوشش کرتے رہتے ہیں۔ لیکن ایک صوفی صافی کے لیے اس کا مجسمہ محبت، نور اور روح ہونا ہی اس کی حقیقت کا آئینہ دار ہے اور اسی میں ان کو اپنے نظریۂ حیات کی جھلک ملتی ہے۔

تصوف میں سلوک کی آخری منزل اتحاد ہے جہاں سالک محسوس کرتا ہے کہ وہ خالقِ کائنات کی ذات و صفات میں مدغم ہو چکا ہے۔ یہ تصور یوحنا کی انجیل میں نمایاں طور پر ملتا ہے۔ پندرہویں باب میں انگور کے درخت اور انگور کی مثال دے کر سمجھانے کی کوشش کی ہے کہ جس طرح درخت اور انگور ایک دوسرے کے بغیر نشو و نما نہیں پاتے بلکہ دونوں کو ایک ہی جگہ سے خوراک ملتی ہے اس طرح انسان اور خدا کا رشتہ ہے۔ وہ ایک دوسرے سے علاحدہ ہوتے بھی ایک دوسرے سے منسلک ہیں اور اسی اتحاد ہی میں انسان کی زندگی ہے۔ "تم مجھ میں قائم رہو اور میں تم میں۔ جس طرح ڈالی اگر انگور کے درخت میں قائم نہ رہے تو اپنے آپ سے پھل نہیں لا سکتی اسی طرح تم بھی اگر مجھ میں قائم نہ رہو تو پھل نہیں لا سکتے۔ میں انگور

کا درخت ہوں تم ڈالیاں ہو۔ جو مجھ میں قائم رہتا ہے اور میں اس میں، وہی بہت پھل لاتا ہے کیونکہ مجھ سے جدا ہو کر تم کچھ نہیں کر سکتے۔" (۱۵، ۴، ۶)

سترھویں باب میں ذرا تفصیلی اور واضح تر الفاظ میں اس اتحاد و یگانگت کا ذکر ہے۔ "جس طرح اے باپ! تو مجھ میں ہے اور میں تجھ میں ہوں وہ بھی ہم میں ہوں . . . اور وہ جلال جو تو نے مجھے دیا ہے میں نے انہیں دیا ہے تاکہ وہ ایک ہوں جیسے ہم ایک ہیں۔ میں ان میں اور تو مجھ میں تاکہ وہ کامل ہو کر ایک ہو جائیں۔" (۱۷، ۲۱-۲۳)

کلمہ (LOGOS) کے متعلق فیلو کا جو تصور ہے وہی انجیل یوحنا میں بھی پایا جاتا ہے۔ کئی جگہ حضرت عیسیٰ کی ازلیت کا ذکر آتا ہے۔ "اے باپ! تو اس جلال سے جو میں دنیا کی پیدائش سے پیشتر تیرے ساتھ رکھتا تھا مجھے اپنے ساتھ جلالی بنا دے۔" (۱۷، ۵) "یسوع نے ان سے کہا میں تم سے سچ سچ کہتا ہوں کہ پیشتر اس کے کہ ابراہیم پیدا ہوا میں ہوں۔" (۸، ۵۸)۔ ان کے علاوہ انجیل یوحنا کے ابتدائی فقرات اس حقیقت پر دال ہیں کہ اس کے مصنف کے نزدیک حضرت عیسیٰ کلمہ تھے اور اس حیثیت میں نہ صرف تخلیق کائنات کے باعث بلکہ اس کائنات کی روح، نور، حیات سبھی کچھ وہ تھے۔

"ابتدا میں کلام تھا اور کلام خدا کے ساتھ تھا اور کلام خدا تھا۔ یہی ابتدا میں خدا کے ساتھ تھا۔ سب چیزیں اس کے وسیلے سے پیدا ہوئیں اور جو کچھ پیدا ہوا اس میں سے کوئی چیز بھی اس کے بغیر پیدا نہیں ہوئی اس میں زندگی تھی اور وہ زندگی آدمیوں کا نور تھا۔" (۱، ۱-۴)

"وہ نہ خون سے نہ جسم کی خواہش سے نہ انسان کے ارادے سے بلکہ خدا سے پیدا ہوئے۔ اور کلام مجسم ہوا اور فضل اور سچائی سے معمور ہو کر ہمارے درمیان رہا۔" (۱، ۱۳-۱۴)

"میں دنیا کا نور ہوں۔" (۹، ۵)

"قیامت اور زندگی میں ہوں۔" (۱۱، ۲۵)

"جس نے مجھے دیکھا اس نے باپ کو دیکھا۔" (۱۴، ۹)

"راہ اور حق اور زندگی میں ہوں۔" (۱۴، ۶)

اس تصور سے یوحنا کی انجیل میں حضرت عیسیٰ کی زندگی کا جو نقشہ ہمارے سامنے آتا ہے وہ دوسری اناجیل سے بالکل مختلف ہے۔ مثلاً دوسری انجیلوں میں حضرت عیسیٰ کی زندگی ایک عام انسان کی سی ہے جس میں فراست بھی ہے اور کمزوریاں بھی ہیں۔ مثلاً مرقس کی انجیل (۱۱، ۱۲-۱۴) میں ذکر آتا ہے کہ

ان کو بھوک لگی تھی اور انجیر کا درخت دیکھ کر وہ پھل کھانے کے لیے روانہ ہوئے لیکن پاس پہنچ کر معلوم ہوا کہ درخت پر پھل نہیں۔ وہ کئی جگہ کہتے نظر آتے ہیں کہ کوئی شخص اس دن کی بابت نہیں جانتا سوائے خدائے تعالیٰ کے۔ اس کے برعکس یوحنا کی انجیل میں کئی جگہ ایسے واقعات ملتے ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عیسیٰ کو مستقبل یا ماضی کے تمام واقعات کا مکمل علم تھا۔ مثلاً پہلے باب میں یسوع اور نتنائیل کی گفتگو سے یہ چیز ثابت ہوتی ہے کہ حضرت عیسیٰ کو اس اجنبی شخص کے متعلق یقینی علم روحانی ذریعہ سے معلوم ہوا۔ اسی طرح چوتھے باب میں سامریہ کی ایک عورت پانی بھرنے یعقوب کے کنوئیں پر آئی۔ اس سے گفتگو کرتے ہوئے حضرت عیسیٰ نے اس عورت کی گذشتہ اور موجودہ زندگی کے متعلق جو باتیں کہیں اس سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ یوحنا کے نزدیک ان کا علم ماورائی تھا۔ اسی طرح چھٹے باب کا یہ فقرہ (۶۴) کہ "یسوع شروع سے جانتا تھا کہ جو ایمان نہیں لاتے وہ کون ہیں اور کون مجھے پکڑوائے گا۔" اسی غیر معمولی ذریعۂ علم کی طرف اشارہ کر رہا ہے۔ سولھویں باب کی آیت ۳۰ میں مسیح کے شاگردوں کا یہ فقرہ کہ "اب ہم جان گئے کہ تو سب کچھ جانتا ہے اور اس کا محتاج نہیں کہ کوئی تجھ سے پوچھے۔" اسی حقیقت کی طرف متوجہ کرتا ہے آخری باب ۲۱ کی آیت ۱۷ میں پطرس کہتا ہے "اے خداوند! تو تو سب کچھ جانتا ہے۔"

اس کے ساتھ ساتھ اس انجیل میں یہ تصور بھی ملتا ہے کہ مسیح اس ارضی زندگی سے پہلے ملکوتی زندگی بھی بسر کر چکے ہیں جہاں انہوں نے خدا سے بالمشافہ گفتگو کی ہے اور اسے دیکھا ہے اور اس کا ماورائی علم اسی وجہ سے ہے۔ جہاں تک تفصیلات اور الفاظ کا تعلق ہے اس سے یہی اندازہ ہوتا ہے کہ یہ "شنید" و "دید" روحانی و معنوی نہیں بلکہ "جسمانی" یا "مکانی" ہے۔ وہ آسمانی باتیں کرتا ہے اس لیے کہ وہ "آسمان سے اترا ہے" (۳، ۱۲-۱۳) اسی طرح چھٹے باب میں جب اس نے کہا کہ وہ ہی وہ "روٹی ہے جو آسمان سے اتری ہے۔" (۵۸) تو اس کے شاگرد کچھ گھبرائے اور اس پر یسوع نے کہا: "اگر تم ابن آدم کو اوپر جاتے دیکھو گے جہاں وہ پہلے تھا تو کیا ہوگا؟" (۶۲) اس سلسلے میں وہ تمام فقرات بھی شامل کر لینے چاہئیں جو قدم عیسیٰ کے متعلق اس سے پہلے نقل کئے جا چکے ہیں۔ "خدا کی روٹی وہ ہے جو آسمان سے اتر کر دنیا کو زندگی بخشتی ہے" (۳۳، ۶) "میں خدا سے نکلا اور آیا ہوں" (۸، ۴۲)۔ یہودیوں سے خطاب کرتے ہوئے یسوع کہتے ہیں: "تم نیچے کے ہو میں اوپر کا ہوں۔ تم دنیا کے ہو، میں دنیا کا نہیں ہوں۔" (۸، ۲۳-۲۴)۔ سولھویں باب میں ان کے شاگردوں کے اقرار و ایمان سے بھی یہ چیز معلوم ہوتی ہے کہ وہ حضرت عیسیٰ کو اس حیثیت سے تسلیم کر چکے تھے کہ ان کا وجود ازلی ہے اور وہ عالم الغیب ہیں۔ "اب ہم جان گئے تو سب کچھ جانتا ہے اور اس کا محتاج نہیں کہ

کوئی تجھ سے پوچھے۔ اس سبب سے ہم ایمان لاتے ہیں کہ تو خدا سے نکلا ہے۔" (۳۰)

اس کے بعد ایک اور اہم مسئلہ ہے جس کو صوفیانہ اصطلاح میں وسیلہ کہا جاتا ہے۔ ہر پیغمبر خدا اور انسانوں کے درمیان ایک طرح کا وسیلہ ہوتا ہے اور عوام اسی کے ذریعہ خدا تک پہنچتے اور اس کی عنایت و بخشش و اکرام کی نعمتوں سے مالا مال ہوتے ہیں۔ لیکن ان کے فرائض کا سب سے اہم کام یہ ہے کہ وہ انسانوں کو خدا تک پہنچا دیں اور اس عمل میں ان کی حیثیت محض ابلاغ و ترغیب کی ہے۔ جب انسان اس منزل تک پہنچ جاتا ہے تو پیغمبر کا فرض پورا ہو جاتا ہے۔ یہی وہ حیثیت ہے جس کا ذکر تقریباً تمام اناجیل میں حضرت مسیح سے منسوب ہے۔ مثلاً لوقا کے پندرھویں باب میں جو دو بھائیوں کی تمثیل بیان کی گئی ہے۔ اس میں یہ حقیقت مضمر ہے کہ جب انسان بے وفائی کے بعد وفاداری کی طرف رجوع کرتا ہے تو اس کے بعد پیغمبر کا کام ختم ہو جاتا ہے۔ مسیح کا کام یہ تھا کہ وہ انسانوں کو خدا تک پہنچنے اور اس کا قرب حاصل کرنے میں مدد دے لیکن جونہی وہ کام تکمیل تک پہنچا تو انسان اور ان کا خدا کے ساتھ معاملہ رہ جاتا ہے اور حضرت عیسیٰ کا وجود ختم ہو جاتا ہے۔ وہ مردہ انسانوں میں امید کی روح پھونکتا ہے، وہ موت کی جگہ حیات کا پیغام لاتا ہے لیکن اس کی یہ حیثیت صرف اس لیے ہے کہ وہ خدائے قدوس کا پیغام پیش کرتا ہے۔ وہ دنیا میں بادشاہت قائم کرنے آیا ہے۔ لیکن یہ بادشاہت اس کی اپنی نہیں بلکہ خدا کی ہے جو سب انسانوں کا بلا تفریق باپ ہے۔ اس کی تمام تعلیم کا مرکز و محور خود اس کی ذات نہیں بلکہ اس کا اور انسانوں کا باپ یعنی خدا ہے۔ اس نے کبھی یہ دعویٰ یا مطالبہ نہیں کیا کہ لوگ اس کی اس طرح تقدیس کریں جس طرح انہیں خدا کی کرنی چاہیئے۔

لیکن جب ہم یوحنا کی انجیل کا مطالعہ کرتے ہیں تو وسیلے کا یہ تصور یکسر بدل جاتا ہے۔ مثلاً ایک جگہ آتا ہے کہ "جس طرح باپ اپنے آپ میں زندگی رکھتا ہے اسی طرح اس نے بیٹے کو بھی یہ بخشا کہ اپنے آپ میں زندگی رکھے۔" (۵، ۲۶)۔ اس جگہ دونوں کا عمل ایک ہی ہے۔ فرق صرف یہ ہے کہ خدا اپنی ذات سے حیات بخش ہے اور مسیح کی یہ صفت اس سے مستعار ہے۔ "جس طرح باپ مردوں کو اٹھاتا اور زندہ کرتا ہے اسی طرح بیٹا بھی جنہیں چاہتا ہے زندہ کرتا ہے۔" (۵، ۲۱)۔ اس فقرے میں حضرت مسیح کی ذاتی خواہش اور ذاتی ارادے کی کارفرمائی نظر آتی ہے۔ اسے خدا کی طرف سے "ہر بشر پر اختیار" دیا گیا ہے (۱۷، ۲) اسے ابدی زندگی دینے کا مکمل اختیار ہے۔ اور اسی طرح وہ واپس بھی لے سکتا ہے (۱۰، ۱۸)

ایک دوسری جگہ آتا ہے: "تم میری محبت میں قائم رہو۔ اگر تم میرے حکموں پر عمل کرو گے تو میری محبت میں قائم رہو گے۔ جیسے میں نے اپنے باپ کے حکموں پر عمل کیا ہے اور اس کی محبت میں قائم ہوں" (۱۵، ۱۰)۔ اسی طرح ایک دوسری جگہ لکھا ہے: "اور وہ جلال جو تو نے مجھے دیا ہے میں نے انہیں دیا ہے تاکہ وہ ایک ہوں جیسے ہم ایک ہیں۔ میں ان میں اور تو مجھ میں تاکہ وہ کامل ہو کر ایک ہو جائیں" (۱۷، ۲۲-۲۳) ان تمام عبارتوں سے ایک چیز واضح ہو جاتی ہے کہ کوئی انسان خدا سے بلا واسطہ رابطہ قائم نہیں کر سکتا احکام کی پیروی سے خدا کی محبت حاصل نہ ہو گی بلکہ مسیح کی ہو گی۔ جلال خداوندی بلا واسطہ خدا سے بندوں کی طرف منتقل نہیں ہو گا بلکہ مسیح کے واسطے سے ہو گا۔ اگر انسان مسیح کے پیش کردہ احکام فرمانبرداری سے بجا لائیں تو وہ خدا کی محبت کے سزاوار نہیں ہوں گے بلکہ صرف مسیح کی محبت کے حقدار ہوں گے۔ اس تصور کی خصوصیت، واضح ہو جائے گی اگر مندرجہ ذیل قرآنی آیت کو سامنے رکھا جائے:

قل ان کنتم تحبون اللہ فاتبعونی یحببکم اللہ ویغفر لکم ذنوبکم (۳، ۳۰)

کہہ دو اگر تم خدائے تعالیٰ سے محبت رکھتے ہو تو میرا اتباع کرو خدا تم سے محبت کریگا اور تمہارے سب گناہ معاف کر دیگا۔

یہاں احکام کی نسبت پیغمبر سے ہے لیکن اس کے نتیجے میں محبت و مغفرت کا عمل انسان اور خدا میں بلا واسطہ رونما ہوتا ہے اور اس میں کسی وسیلے یا واسطہ کی حاجت نہیں۔ یہی وہ تصورات ہیں جو بعد میں عیسائی تصوف اور اسلامی تصوف میں مختلف شکلوں اور مختلف اصطلاحات کے لباس میں ملتے ہیں

عیسائیت کی تاریخی تشکیل میں پولوس رسول کا حصہ بہت اہم ہے اور اکثر لوگوں کا خیال ہے کہ عیسائیت کی موجودہ شکل حضرت عیسیٰ کی تعلیم کا نتیجہ نہیں بلکہ پولوس کی تعبیر کا نتیجہ ہے۔

پولوس کلکیہ کے شہر طرسوس کا باشندہ تھا۔ نسلاً اور مذہباً وہ یہودی تھا اور خاندانی روایت کے مطابق وہ فریسیوں میں سے تھا۔ طرسوس کا شہر یونانی اور قدیم اذکار کا مرکز تھا اور مشہور ہے کہ پولوس کے زمانے میں چند رواقی فلسفی اس شہر میں موجود تھے۔ رواقی فلسفہ یونانی فکر اور اسرائیلی مذہب کا مجموعہ کہلا سکتا ہے کیونکہ تقریباً سب ابتدائی مشہور رواقی مفکرین اسرائیلی ہی تھے۔ بعض ناقدین کا خیال ہے کہ پولوس کے تصورات اور عیسائی عقاید خالص یونانی فلسفہ کی پیداوار تھے اور بعض کا خیال ہے کہ یہ یہودی روایات ہی کی ترقی یافتہ شکل تھی لیکن ہمیں ان متنازعہ فیہ امور کے تصفیہ کرنے کی ضرورت نہیں۔

اپنی تحریروں میں پولوس نے یونانی اثر کا کوئی ذکر نہیں کیا اور جیسا کہ تاریخ سے معلوم ہوتا ہے اس نے کوئی رسمی تعلیم بھی نہیں لی۔ اس سے یہی اندازہ ہوتا ہے کہ جو کچھ یونانی فکر کے اثرات اس کی تحریروں میں نظر آتے ہیں وہ محض شدید اور ماحول کے اثر کا نتیجہ ہیں۔ دوسری طرف وہ کھلم کھلا اس چیز کا اعتراف کرتا نظر آتا ہے کہ وہ "عبرانیوں کا عبرانی" ہے۔ اور اسی وجہ سے اس نے ابتدائی زندگی میں عیسوی مذہب کے پیروؤں کے خلاف شدید ظلم و انتہائی تشدد کا سلوک روا رکھا کیونکہ اس کے اس وقت کے خیال کے مطابق عیسائی مذہب کی کامیابی اسرائیلی مذہب کی تباہی و نامرادی کے مترادف ہوگی۔ لیکن اچانک دمشق جاتے ہوئے جہاں وہ عیسائیت کی منظم بیخ کنی کے لیے جا رہا تھا اسے حضرت عیسیٰ کی شبیہہ رویا میں دکھائی دی جس کے مشاہدے کے بعد وہ عیسائی ہوگیا۔ عہد جدید کے مختلف خطوط اور اعمال کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ پولوس صوفیانہ مشاہدات کا عادی تھا اور کئی جگہ اس نے مختلف رویا کا ذکر کیا ہے۔ لیکن اس خاص رویا کا ذکر ہمارے لیے خاص طور پر اہم ہے کیونکہ اس کے باعث اس کی زندگی ایک نئے دور میں داخل ہوئی۔

اعمال باب ۹ میں مذکور ہے کہ جب پولوس سفر کرتے کرتے دمشق کے نزدیک پہنچا تو ایسا ہوا کہ یکایک آسمان سے ایک نور اس کے گرداگرد آچمکا اور وہ زمین پر گر پڑا اور یہ آواز سنی کہ اے ساؤل! اے ساؤل! تو مجھے کیوں ستاتا ہے؟ اس نے پوچھا اے خداوند! تو کون ہے؟ اس نے کہا میں یسوع ہوں جسے تو ستاتا ہے۔ مگر اٹھ شہر میں جا اور جو تجھے کرنا ہے وہ تجھ سے کہا جائے گا۔ اس کے بعد ساؤل زمین پر سے اٹھا۔ لیکن جب آنکھیں کھولیں تو اس کو کچھ نہ دکھائی دیا۔ اور لوگ اس کا ہاتھ پکڑ کر دمشق میں لے گئے اور وہ تین دن تک نہ دیکھ سکا۔ اور نہ اس نے کھایا پیا۔ اس کے بعد باب ۲۲ اور ۲۶ میں تھوڑے سے اختلاف سے یہ واقعہ درج ہے۔

اگرچہ پولوس کے نزدیک اس کا یہ مکاشفہ اور رویا دوسرے اصحاب مسیح کی طرح کا ہے (کرنتھیون ۱۵، ۵ - ۸) لیکن عیسائیت کا جو تصور اس نے پیش کیا وہ دوسرے رسولوں کی طرح مستعار نہیں۔ اس کے لیے وہ کسی انسان کا مرہون منت نہیں۔ اس نے حضرت عیسیٰ اور عیسائیت کے متعلق جو کچھ جانا سمجھا اور جس کی اس نے تبلیغ کی وہ سرتاپا اس کے اپنے داخلی مکاشفات پر مبنی ہے اور جہاں کہیں کوئی مصدقہ روایت اس کے اپنے تصور کے خلاف نظر آئی اس نے اپنے مکاشفاتی علم کے سامنے رد کردی۔ گلتیون کے نام خط میں (باب اول، ۱۱، ۱۲) مذکور ہے: "پولوس کی طرف سے جو نہ انسانوں کی

جانب سے نہ انسان کے سبب سے بلکہ یسوع مسیح اور خدا (باپ) کے سبب سے جس نے اس کو مردوں میں سے جلایا رسول ہے ۔ ۔ ۔ اے بھائیو! میں تمہیں جتائے دیتا ہوں کہ جو خوش خبری میں نے سنائی وہ انسان کی سی نہیں کیونکہ وہ مجھے انسان کی طرف سے نہیں پہنچی۔ اور نہ مجھے سکھائی گئی بلکہ یسوع مسیح کی طرف سے مجھے اس کا مکاشفہ ہوا۔" اس کے بعد پندرہویں اور سولہویں آیتوں میں کہتا ہے کہ جب خدا کی مرضی ہوئی کہ "اپنے بیٹے کو مجھ میں ظاہر کرے تاکہ میں غیر قوموں میں اس کی خوش خبری دوں تو میں نے گوشت اور خون سے صلاح لی اور نہ یروشلم میں ان کے پاس گیا جو مجھ سے پہلے رسول تھے بلکہ فوراً عرب کو چلا گیا۔ پھر وہاں سے دمشق واپس آیا۔"

ان مکاشفات اور رویا کے زیر اثر پولوس نے عیسائیت قبول کر لی لیکن جس مذہب کی اس نے تبلیغ کی وہ درحقیقت حضرت عیسیٰ کا پیش کردہ نہ تھا بلکہ اس میں فلسفۂ یونان، یہودیت اور مروجہ مشرکانہ مذاہب کے تصورات سبھی کی آمیزش تھی۔

حضرت عیسیٰ کی ذات کے متعلق اس نے جو تصور پیش کیا اس میں یونانی فکر اور مشرکانہ تخیلات کے اجزا کو ملا کر ایک ایسی ذات کا تصور بن گیا جو انسان سے زیادہ خدا معلوم ہوتا ہے یا فلسفہ کی زبان میں کلمہ یعنی لوگوس۔ مکاشفہ میں اس نے محسوس کیا کہ عیسیٰ گویا ایک روحانی وجود ہے، نورانی، مختار کل جو دلوں کے رازوں سے واقف ہے۔ جو موت کے بعد دوبارہ زندگی حاصل کر چکا ہے اس لیے صلیب کی موت اس کے لیے کوئی وجہ ندامت نہیں بلکہ جس کے باعث خدا نے اسے اپنے قرب میں جگہ دی اور اپنی قوت اور جلال کا حصہ دار بنایا۔ اس حیثیت میں اس کا پیغام اور خوش خبری صرف یہودیوں تک محدود رہنے کی چیز نہیں بلکہ ساری دنیا کی اقوام کے لیے ہے۔ مسیح کا صلیب پانا محض ماضی کا ایک افسوسناک واقعہ نہیں رہتا بلکہ اس کی ذات کی ایک عظیم الشان صفت جو اس کی دوبارہ زندگی پر منتج ہوتا ہے۔ وہ دیوتا ہے، وہ خدا کا بیٹا ہے جو سب انسانوں کے لیے قابل پرستش ہے۔ وہ اس دنیا میں انسانی شکل میں نمودار ہوا، لوگوں کے گناہوں کے کفارہ کے طور پر جان دی اور پھر دوبارہ زندہ ہوا وغیرہ وغیرہ۔

سب چیزیں اسی کے وسیلے سے اور اسی کے واسطے پیدا ہوئی ہیں۔ اور وہ سب چیزوں سے پہلے ہے اور اسی میں سب چیزیں قائم رہتی ہیں۔" جو خدا کی صورت پر ہوتے ہوئے بھی اس کے برابر اور مساوی حیثیت و مقام کا مالک ہے اور جو اس قابل ہے کہ خدا کی طرح لوگوں پر فضل کی بارش کرے۔ تمام چیزیں اسی کے تابع ہیں اور اسی قوت کی تاثیر سے وہ انسانوں میں بدی کی جگہ جلال و نیکی پیدا کر سکتا ہے۔ وہ آدمی ہے (رومیوں ۵: ۱۵) لیکن عام انسانوں جیسا نہیں بلکہ یوں کہنا چاہیئے کہ وہ ملکوتی انسان ہے جو عالم ملکوت سے

نیچے اتر کر آیا۔ "پہلا آدمی زمین سے یعنی خاکی تھا۔ دوسرا آدمی آسمانی ہے"۔ (اکرنتھیوں ۱۵: ۴۷)۔ اس کی یہ انسانیت محض ایک عارضی جامہ ہے جس کے باعث وہ اس عالم کون و مکان کی زمانی پابندیوں میں کچھ وقت کے لیے ملبوس ہوا۔

پولوس کے خطوں میں مسیح شخصی حیثیت کے علاوہ ایک مجرد اصول کا بھی حامل ہے۔ کئی جگہوں میں مسیح کا ذکر اس طرح پایا جاتا ہے کہ وہ ایک زندہ شخصیت ہے جس کا اسے آسمان سے دوبارہ آنے کا انتظار ہے، جس سے فضا میں ملنے کا وہ متمنی ہے اور موت کے بعد جس کی ملاقات کا پُرجوش جذبہ اس کے دل میں موجزن ہے خاص طور پر جب وہ رومیوں کے نام خط میں بیان کرتا ہے کہ مسیح یسوع وہ ہے جو مر گیا بلکہ مردوں میں سے جی بھی اٹھا اور خدا کی داہنی طرف ہے اور ہماری شفاعت بھی کرتا ہے۔" (۸: ۳۴) تو معلوم ہوتا ہے کہ اس کے ذہن میں مسیح کا ایک شخصی تصور تھا لیکن دوسری جگہوں میں جب وہ مسیح کا ذکر کرتا ہے تو اس سے مراد ایک شخص سے نہیں ہوتی بلکہ ایک مجرد اصول سے ہوتی ہے۔ جو ایک ملکوتی حالت یا قوت کا نام ہے۔ یا جو حیات کا ایک ابدی اصول ہے۔

رومیوں کے خط میں ایک جگہ (۱۳: ۱۴) مسیح لوگوں کے لیے ایک پہناوا اور لباس ہے اور دوسری جگہ (کلسیوں ۲: ۶) وہ ایسی شاہراہ ہے جس میں لوگ چل سکتے ہیں۔

"ہم اس کی (یعنی خدا کی) کاریگری ہی ہیں اور مسیح یسوع میں ان نیک اعمال کے واسطے مخلوق ہوئے جن کو خدا نے پہلے سے ہمارے کرنے کے لیے تیار کیا تھا۔" (افسیوں ۲: ۱۰)

"میں مسیح کے ساتھ مصلوب ہوا ہوں اور اب میں زندہ نہ رہا بلکہ مسیح مجھ میں زندہ ہے" (گلتیوں ۲: ۲۰)

"ایمان کے وسیلے سے مسیح تمہارے دلوں میں سکونت کرے۔" (افسیوں ۳: ۱۷)

"تم مر گئے اور تمہاری زندگی مسیح کے ساتھ خدا میں پوشیدہ ہے" (کلسیوں ۳: ۳)

"مسیح سب کچھ اور سب میں ہے" (کلسیوں ۳: ۱۱)

کرنتھیوں کے نام پہلے خط کے پندرہویں باب میں پولوس مسیح کو کائنات کے حاکم مطلق کے طور پر پیش کرتا ہے جس کا عہد حکومت قیامت تک جاری رہے گا۔ جب قیامت آئے گی تو "اس وقت وہ ساری حکومت اور سارا اختیار اور قدرت نیست کر کے بادشاہی کو خدا یعنی باپ کے حوالے کر دے گا۔" آیت ۲۴۔

اسی طرح اسرائیلیوں کے مصر سے نکلنے کے بعد جب وہ صحرا میں پھرتے رہے تو ایک چٹان غائبانہ طور پر ان کے ساتھ ساتھ تھی۔ اس واقعہ کا ذکر کرتے ہوئے اسی خط کے دسویں باب کی چوتھی آیت میں پولوس کہتا ہے: "وہ اس روحانی چٹان سے پانی پیتے تھے جو ان کے ساتھ ساتھ چلتی تھی اور وہ چٹان مسیح تھا۔"

پھر ایک جگہ (رومیوں کے نام خط ۸، ۹-۱۰) پہلے روح خداوندی کو روح مسیح کے ساتھ مماثل قرار دے کر ساتھ ہی ایسے مسیح کے مماثل قرار دیا گیا ہے۔ "تم جسمانی نہیں بلکہ روحانی ہو بشرطیکہ خدا کی روح تم میں بسی ہوئی ہے۔ مگر جس میں مسیح کی روح نہیں وہ اس کا نہیں اور اگر مسیح تم میں ہے تو بدن تو گناہ کے سبب مردہ ہے مگر روح راستبازی کے سبب سے زندہ ہے۔"

مسیح کی ذات کے متعلق یہ تمام تصورات درحقیقت حضرت عیسیٰ کی تعلیم سے ماخوذ نہ تھے بلکہ قدیم یونانی مذاہب اور ہم عصر مذہبی تصورات سے مستعار لیے گئے تھے۔ ان میں تمام قدیم قوموں کے فلسفیانہ اور صوفیانہ افکار کی آمیزش تھی اور اسی لیے پولوس کی تعبیر عیسائیت یوحنا سے زیادہ تصوف اور صوفیانہ خیالات کی ترویج کا باعث بنی۔ مسیح کا تصور وہی قدیم لوگوس کا تخیل تھا جو زرتشتی مذہب سے یونان میں داخل ہو۔ اور ہیراکلیٹس اور افلاطون سے ہوتا ہوا فیلو، یوحنا اور پولوس میں آموجود ہوا۔ فرق صرف یہ تھا کہ فیلو کے ہاں یہ لوگوس یا کلمہ مسیح کے بغیر موجود تھا اور پولوس اور یوحنا کے ہاں یہ لوگوس مسیح کا روپ دھار لیتا ہے۔ مسلمان صوفیاء کے ہاں یہی نظریہ بعد میں آں حضرتؐ کی ذات کے ساتھ وابستہ ہو کر حقیقتِ محمدیہؐ بن جاتا ہے۔

پولوس یہ دعویٰ کرتا ہے کہ اس نے دین عیسوی اس لیے قبول کیا کہ اس نے حضرت عیسیٰ کو مکاشفہ میں دیکھا اور اس کے بعد اس نے کسی حواری یا رسول سے ملنے کی ضرورت محسوس نہیں کی بلکہ اپنی تمام تعلیم کا دار و مدار محض اس مکاشفے پر رکھا۔ یہ طریقۂ کار بالکل صوفیانہ تحریک کی جان ہے اور اسی لیے ناقدین کا خیال ہے کہ زمانۂ مابعد کے تمام عیسائی صوفی پولوس کو اپنا راہنما سمجھنے میں حق بجانب تھے۔ اس اندرونی جذب و وجدان کی بنیاد پر شریعت و طریقت کی آویزش اور اول الذکر کے مقابلہ پر مؤخر الذکر کی برتری لازمی تھی۔ چنانچہ پولوس کے صحیفوں میں جا بجا شریعت کے خلاف نہ صرف جذبہ بلکہ یوں کہنا چاہیئے کہ بغض و عناد پایا جاتا ہے۔ اسی بنا پر اس نے حضرت عیسیٰ کی تاریخی زندگی کو کبھی درخور اعتنا نہ سمجھا اور ہمیشہ ہر بات کا فیصلہ کرنے کے لیے مکاشفات اور رویا کی طرف رجوع کیا۔

(باقی)